اشرف عطاء

آزادی کا داعی۔ ایک مجاہد عالم دین

کتنے دور آئے اور ختم ہوگئے۔ کتنی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں اور عدم آباد میں ابدی نیند سو گئیں۔ کتنی حکومتیں بنیں اور انقلابات کی نذر ہو گئیں۔ تاریخ کے اوراق میں ان کے کارناموں کی مناسبت سے ان کا ذکر ہو تو لیکن گردشِ زمانہ نے عوام کے دماغوں سے ان کی یاد محو کر دی ہے لیکن کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہیں انسان بھولنا بھی چاہے تو بھول نہیں سکتا۔ شاہ جی کے کارنامے ان کی قربانیاں، ان کا ایثار، ان کی باغ و بہار طبیعت، ان کے لطائف، ان کے ادب پارے، ان کی طنز، ان کا مزاح اور پھر فارسی، عربی اور اردو کے شعراء کے ہزاروں اشعار جو انہیں از بر تھے ان اشعار کی ادائیگی۔ ان کی قادیان شکن تقریریں، برطانوی جبر و استبداد کے سامنے خم ٹھونک کر ہر قسم کے نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر ان کی ہندوستان گیر جدوجہد، یہ وہ واقعات ہیں جنہیں کوئی شخص آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بلبل گلستانِ رسالت ﷺ تھے۔ اللہ رب العزت نے انہیں لحن داؤدی عطاء کر رکھا تھا۔ وہ جب اپنی تقریر کے دوران تلاوت قرآن مجید کرتے تو شجر و حجر وجد میں آجاتے۔ شاہ جی کا عربی فارسی اور اردو، کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہیں اردو، فارسی اور عربی کے اساتذہ کے ہزاروں اشعار نوک زبان تھے۔ الفاظ و معانی کا ایک سیلاب تھا جو ان کی تقریروں میں امڈا چلا آتا تھا۔ شاہ جی نے ابتدائی تعلیم اپنے ننہال کے ہاں عظیم آباد (پٹنہ) میں مکمل کی۔ عظیم آباد اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا۔ اس کے چپہ چپہ پر تاریخ اسلام کے اوراق بکھرے ہوئے ہیں۔ عظیم آباد کی سرزمین نے بڑے بڑے ادباء فضلاء علماء اور شعراء پیدا کئے جن کے رشحات قلم نے ہمارے سرمایۂ ادب میں بے پناہ اضافہ کیا۔ شاہ جی کے ننہال کا گھرانہ خود علم و فضل کے میدان میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس لئے شاہ جی پر اپنے ننہال کا ادبی اور علمی اثر ہمیشہ غالب رہا۔
آپ کے ددھیال کشمیر سے ہجرت کر کے گجرات میں آباد تھے۔ اور روحانی طور پر اس گھرانے کی بہت عزت تھی۔ آپ عظیم آباد سے گجرات اور پھر امرتسر میں آگئے۔ یہاں حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ سے حدیث کا درس لینے لگے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بے حد ذہین تھے۔ انہوں نے اپنی قابلیت اور ذہانت سے مفتی صاحب کا دل موہ لیا۔ ایک روز مفتی صاحب نے اپنے حلقۂ درس میں فرمایا۔

"عطاء اللہ شاہ مستقبل میں ایک تاریخی شخصیت ثابت ہوگا۔ اور ملت اسلامیہ کے مردہ قلوب میں زندگی کا نیا جوش، نیا ولولہ اور نیا خون دوڑا دے گا۔"

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ہوئی۔ امیر شریعت سید عطاء

اللہ شاہ بخاری نے مسلمانانِ ہند کے قلوب میں نیا جوش، نیا ولولہ، نئی تڑپ پیدا کرنے میں جو عظیم کردار ادا کیا وہ برصغیر کی تاریخ میں حریت کا قیمتی سرمایہ ہے۔

جب شاہ جی امرتسر کی مسجد خیر الدین میں پڑھا کرتے تھے ان دنوں مولانا ابوالکلام آزاد امرتسر کے اخبار "وکیل" کے مدیر اعلیٰ ہوا کرتے تھے۔ آغا حشر عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کیا کرتے تھے۔ آغا حشر اپنے دور کے بہت بڑے مناظر تھے۔ وہ عظیم شاعر بلند پایہ ڈرامہ نویس ہی نہیں تھے بلکہ ایک شعلہ نوا مقرر اور جادو بیان خطیب بھی تھے۔

شاہ جی مولانا ابوالکلام آزاد کی ان دنوں کی جبکہ وہ "وکیل" میں مدیر تھے۔ تصویر کچھ اس طرح سے کھینچا کرتے تھے۔

"ایک سرو قد رعنا صورت، بڑی بڑی مدھ بھری آنکھوں کا نوجوان، لباس صاف ستھرا اور اجلا، اور اس کی نفاست طبع کا آئینہ دار، باتوں میں ٹھہراؤ اور قلم میں انگارے مضمر تھے۔ کسی مسئلہ پر بات کرو تو معلومات اور دلائل و براہین کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے۔ خطابت کا شہنشاہ، تحریر کا دھنی، ایک عظیم شخصیت، دینی، علمی، ادبی، شعری، سیاسی، بین الاقوامی، اور بین المملکتی کوئی معاملہ ہو۔ اس پر کچھ اس طرح روشنی ڈالتا کہ اس کا ہر الجھاؤ دور ہو جاتا اور اس کی ہر گتھی سلجھ کر سامنے آجاتی۔ علم و ادب کا یہ آفتاب پوری آب و تاب سے آسمانِ ہند پر چمکا۔ اس کے سامنے سب کی قندیلیں مدھم پڑ گئیں۔

وہ امام الہند تھا۔ اس کا مقام مذہب و سیاست میں بہت بلند تھا۔ وہ ایک گل شگفتہ تھا جس کی بو باس سے گلستان ملت کو تروتازگی ملی۔

ایک روز باتوں باتوں میں کہنے لگے

"میں نے آغا حشر کو اس عالم میں بھی دیکھا ہے۔ کہ وہ ایک بپھرے شیر کی طرح عیسائی، آریہ، سماجی اور دہریہ مبلغوں پر جھپٹتا۔ آغا حشر محمد شاہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ جب وہ تقریر کرتا تو الفاظ و معانی کے دریا بہا دیتا تھا۔ جب دلائل و براہین سے کام لیتا تو اس کے مخالف اس سے پناہ مانگتے۔ اسے مختلف مذاہب کی کتابیں از بر تھیں۔ اس نے آریہ سماجی اور عیسائی لٹریچر کا عمیق نظروں سے مطالعہ کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائی پادری اور آریہ سماجی اس کے مقابلے میں آنے سے کتراتے تھے۔ شکوہ یورپ کا یہ مخالف ہر طرف دندناتا پھرتا۔ کوئی مقابلہ پر نہ آتا۔ افسوس کہ حشر ایسا مناظر۔ خطیب، مقرر، محقق ڈراموں کی دلدلوں میں جا پھنسا۔ حشر جب تک زندہ رہا۔ ڈرامہ نویسی کی دنیا میں اس کا طوطی بولتا رہا۔ یقیناً وہ اپنے وقت کا شیکسپیئر اور کالی داس تھا"۔

شاہ جی ابھی حضرت مفتی محمد حسن کے حلقہ درس میں ہی شامل تھے کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی اور پھر

انگریزوں نے عراق، دمشق، فلسطین، اردن وغیرہ عرب ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ مشرق وسطیٰ پر ہلالی پرچم کی جگہ تثلیث کا جھنڈا لہرانے لگا۔ مقامات مقدسہ پرانگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اتحادیوں نے خلافت عثمانیہ کے لبادے کو تار تار کر دیا۔ ترک جو پانچ سو سال تک یورپ کے سینے پر مونگ دلتے رہے تھے۔ شکست کھا گئے۔ استنبول پر اتحادی فوجوں نے قبضہ کر لیا۔ عثمانی خلیفہ کی حیثیت ایک محکوم حکمران کی ہو کر رہ گئی۔ ان واقعات نے مسلمانوں کے قلوب میں انگریزوں کے خلاف نفرت و حقارت کا ایک طوفان موجزن کر دیا۔ انگریزوں نے ہندوستان کو سیاسی حقوق اور آزادی دینے کے سلسلہ میں جو وعدے جنگ کے دوران کئے تھے۔ وہ اپنے ان وعدوں سے منحرف ہو گیا۔ اس نے ہندوستانیوں کی وفاداری اور قربانی کا یہ صلہ دیا کہ ملک میں رولٹ ایکٹ نافذ کر دیا۔ برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کے ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کے ساتھ بالخصوص جو سلوک کیا اس کے نتیجہ میں سارے ملک میں حکومت کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان مظاہروں نے شدت اختیار کی تو جلیانوالہ باغ کا خونی واقعہ رونما ہوا۔ مسلمانوں نے احیائے خلافت کے سلسلہ میں تحریک شروع کی اور انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام مقامات مقدسہ کو مسلمانوں کے حوالے کر دے۔ ترکی اور عرب ممالک سے اتحادی فوجوں کو نکال لیا جائے اور ترکی اور عرب ممالک کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے۔

تحریک خلافت کو چلانے کے لئے ملک میں خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ خلافت کمیٹی میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، مولانا ظفر علی خاں، عبدالرحمن صدیقی، سید راغب احسن اور مولانا ثناء اللہ پانی پتی۔ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، چودھری افضل حق، مولانا مظہر علی اظہر اور صوفی غلام محمد فرنگی محل سب ہی شامل تھے۔ یہ تحریک آندھی کی طرح اٹھی اور طوفان کی طرح پورے ملک میں چھا گئی۔ مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کی تو گاندھی جی نے جو جنوبی افریقہ سے ہندوستان آنے کے بعد گوکھلے تلک اور سی آرداس ایسے لیڈروں کی قیادت کے گھروندے گرانا چاہتے تھے۔ ملک میں عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ ترک موالات اور خلافت تحریک کے الحاق نے برطانوی حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

تحریک خلافت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری میدان سیاست میں تشریف لائے۔ انہوں نے مسجد خیر الدین میں ایک زناٹے دار تقریر کی۔ ان کی تقریر کیا تھی ایک لاوا تھا، جس نے ہر طرف آگ لگا دی۔ ان کی دوسری تقریر موچی دروازہ کے باغ میں ہوئی۔ اس جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی جی، مولانا ظفر علی خاں، نے بھی تقریریں کیں۔ یہ وہ رہنما تھے جن کی خطابت پر کوئی شخص انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جن کی خطابت مسلم تھی لیکن جب ان تقریروں کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر شروع کی تو ہر شخص شاہ جی کو حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ گورے چٹے رنگ اور دوہرے بدن کا ایک نوجوان تھا جس نے چوڑی آستینوں کا کھدر کا کرتہ پہن رکھا تھا اور تہبند زیب تن تھا۔ سر پر رومال لپیٹ رکھا تھا۔ ہاتھوں میں ایک ڈنڈا

تھا۔

تلاوت قرآن مجید کرنے کے بعد جب شاہ جی نے تقریر شروع کی تو ان کے ایک ایک فقرہ پر ساری فضا نعروں سے گونج اٹھی۔ انہوں نے برطانوی سامراج کے بخیے ادھیڑ کر رکھدئے۔ اس تقریر کے بعد شاہ جی کی دھاک بڑے بڑے لیڈر بھی مان گئے۔ اور ان کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں میں ہونے لگا۔

تحریک خلافت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں نے نہ صرف پنجاب اور سرحد میں بلکہ پورے ہندوستان میں آگ لگا دی۔ علمائے فرنگی محل نے ان دنوں فوج اور پولیس کی نوکری حرام کا فتویٰ دیا۔ یہ تحریک انتہائی پرجوش تھی۔ اس کی وجہ سے طلباء نے سرکاری سکول اور کالج ترک کر دیئے، وکلاء نے پریکٹس چھوڑ دی۔ پولیس اور فوج کے سینکڑوں افسروں اور سپاہیوں نے ملازمت ترک کر دی۔ اپنے زمانہ میں شاہ جی کی تقریر سے متأثر ہو کر چودھری افضل حق نے جو پولیس میں ایس ایچ او تھے۔ ملازمت سے استعفیٰ دیدیا اور تحریک میں شامل ہو گئے۔

چودھری افضل حق اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے میدان سیاست میں لانے کا سہرا شاہ جی کے سر ہے۔ جن کی تقریر نے مجھے گرویدہ کر کے اسلام اور ملک وملت کا شیدائی بنا دیا۔

تحریک خلافت میں شاہ جی کو تین سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ ان کے خلاف اس تحریک کے دوران اور بھی مقدمات چلائے گئے لیکن سزا صرف ایک مقدمہ میں ہوئی۔

تحریکِ خلافت اور ترک موالات کے بعد ملک میں ہندو مہاسبائیوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر دیں۔ راجپال، سوامی شردھانند، بھولا ناتھ اور ناتھورام نے لاہور، دہلی، کلکتہ اور کراچی سے ایسی کتابیں شائع کیں جن میں مسلمانوں کے آقا و مولا رسول خدا ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کی گئی تھیں۔ شاہ جی عاشق رسول ﷺ تھے۔ وہ بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے دہلی دروازہ کے باہر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ زبان گدی سے نکال لی جائے گی جو میرے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے گی۔ مہاشاؤں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ ایسی کتاب اور مضامین کی اشاعت کر کے آگ کے شعلوں سے کھیل رہے ہیں۔ مسلمان ہر چیز برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے آقاؤ مولا کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا"۔

آپ نے اس جلسہ میں اپنی ٹوپی کو ہاتھ میں لے کر فرمایا۔

"ہندو فطرتاً غلام واقع ہوا ہے۔ وہ ایک ہزار سال سے غلام چلا آ رہا ہے۔ وہ آزادی کا تصور تک نہیں لا سکتا لیکن مجھے تو آج بھی اپنی اس دوپلی سے بادشاہت کی بو آ رہی ہے"۔ پھر فرمایا

"ہندو اور مسلمان کے درمیان اتحاد کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہندو جس گائے کو اپنی ماتا مانتا ہے۔ اس کے پیشاب کو پوتر سمجھتا ہے۔ میں اس کو کھروں تک چبا جاتا ہوں۔ ہندو کی تہذیب الگ،

تمدن الگ، مذہب الگ وہ ہزاروں بتوں کو پوجتا ہے۔ وہ شولنگ کے سامنے ماتھا رگڑتا ہے لیکن میں توحید کا علمبردار ہوں۔ میں ایک خدا کا پجاری ہوں۔ بت پرستی اور توحید کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ ظلمت اور روشنی میں کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔

ہم مسلمان، بت شکن محمود غزنوی اور اورنگ زیب عالمگیر کی روایات کے حامل ہیں۔ ہندو یہ کیوں بھول گیا کہ اس نے ایک ہزار سال تک ہمارے آستانۂ جلال پر خاصیہ فرسائی کی ہے یہ قوم جو ڈولے دے کر جاگیرداری کی بھیک مانگتی رہی ہے۔ آج مسلمانوں کو آنکھیں دکھا رہی ہے۔ ان کی زبان درازیاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ مسلمانوں کے آقا و مولاﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کی جرأت کر رہی ہے۔ یاد رکھو وہ ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے جو مسلمانوں کے پیغمبرﷺ کے خلاف قلم کو جنبش میں لائیں گے۔ وہ زبان کاٹ لی جائے گی۔ جو ہمارے آقا و مولا کی شان میں گستاخی کرے گی۔

شاہ جی کو اس تقریر کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا اور دو سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

سائمن کمیشن کی آمد کے بعد ملک کی سیاست نے ایک بار پھر پلٹا کھایا۔ ان ہی دنوں پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی نے فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے سلسلہ میں ایک دستاویز شائع کی۔ جسے نہرو رپورٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس رپورٹ کو مسلمانوں کے لئے ضرر رساں قرار دیا اور نہایت واضح طور پر یہ کہا کہ نہرو ایسی رپورٹ پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ہندوستان میں ہندو اکثریت ہی انگریز کی صحیح جانشین ہے۔ ہندو مسلمانوں کو اجیر اور اچھوت بنانے کی سازش کر رہے ہیں۔ ان دنوں مجلس خلافت دو گروپوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک کی قیادت علی برداران کے ہاتھوں میں تھی۔ دوسری طرف پنجاب کے خلافتی لیڈر تھے۔ جنہیں علی برادران ہمیشہ پنجابی ٹولہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ پنجابی ٹولی نے جس میں مولانا ظفر علی خاں، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری عبدالعزیز بیگو والوی، چودھری افضل حق، مولانا عبدالقادر قصوری، شیخ حسام الدین، مولانا مظہر علی اظہر، وغیرہ شامل تھے۔ نہرو رپورٹ کو تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد پنجاب میں سخت ہنگامے ہوئے۔ نہرو رپورٹ کے حق میں اور مخالفت میں جلسے ہوئے۔ مظاہرے ہوئے۔ ان ہنگاموں کے بعد لاہور میں آل انڈیا کانگرس کا اجلاس دریائے راوی کے کنارے پنڈت جواہر لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس سے قبل پنجاب کے خلافتی مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں جہازی بلڈنگ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں ایک جلسہ منعقد کر کے مجلس احرار اسلام قائم کر چکے تھے۔ کانگریس کے اس اجلاس میں نہرو رپورٹ کو دریا برد کر دیا گیا اور مکمل آزادی کی قرار داد منظور کی گئی۔ جس کی تائید میں سردار عبدالرب نشتر، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مسز سروجنی نیڈو کی ہمشیرہ مسز نمیکر نے جو

سوشلسٹ لیڈر تھیں بڑی زور دار تقریریں کیں۔ ملک میں تحریک نمک سازی شروع ہوئی تو مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری دو سال کے لئے پھر جیل بھیج دیئے گئے لیکن گاندھی اروِن سمجھوتہ کے تحت دوسرے لیڈروں کے ساتھ ایک سال کے بعد رہا کردیئے گئے۔

کراچی کانگرس کے اجلاس میں مولانا ظفر علی خان کے اس مطالبہ کی بنا پر کہ اگر گاندھی جی کی پرارتھنا کے لئے کانگرس کا اجلاس ملتوی کیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز کے لئے کانگرس کا اجلاس ملتوی کیا جائے۔ مولانا ظفر علی کے اس مطالبہ کو ہندو لیڈروں نے ماننے سے انکار کردیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ فرمایا کہ جس شخص کو نماز پڑھنا ہو وہ اجلاس سے باہر جاکر نماز ادا کرسکتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے ان الفاظ سے پنجاب کے احرار بھڑک اٹھے۔ مولانا ظفر علی خاں اجلاس سے واک آوٹ کر گئے۔ مولانا آزاد نے مولانا ظفر علی خاں کے جانے کے بعد احرار لیڈروں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن شاہ جی اور چودھری افضل حق نے کانگرسیوں کی اس ذہنیت کے خلاف بطور احتجاج کانگرس سے استعفیٰ دیدیا اور مجلس احرار اسلام من حیث الجماعت کانگرس سے الگ ہوگئی۔ اس واقعہ کے بعد اسلامیہ کالج حبیبیہ ہال لاہور میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور شیخ حسام الدین نے بڑی زور دار تقریریں کیں۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے جداگانہ طریق انتخاب کی قرارداد منظور کی۔

کشمیر میں ڈوگروں کے مظالم اور فائرنگ کی وجہ سے درجنوں مسلمان شہید اور سینکڑوں زخمی ہوگئے خانقاہ معلی میں داخل ہو کر ڈوگروں نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔ اس واقعہ نے مسلمانوں میں اضطراب پیدا کردیا۔ مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کمیٹی پر مرزائیوں کا قبضہ تھا۔ علامہ محمد اقبال نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی فہمائش، ترغیب و تحریک پر اس کمیٹی کی شدید مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ مرزائی ایک الگ فرقہ ہے اسے مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کشمیر کمیٹی میں ان کی موجودگی ملت اسلامیہ ہندیہ کے وسیع تر مفاد اور کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کے منافی ہے۔ مرزائی اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اور کشمیریوں میں مرزائیت کی تبلیغ کرکے انہیں مرتد بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ موچی دروازہ کے باہر برکت علی محمڈن ہال میں ایک جلسہ ہوا جس میں مرزائیوں کو کشمیر کمیٹی سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد انجمن حمایت اسلام لاہور سے بھی مرزائیوں کا اخراج عمل میں لایا گیا۔ اس جلسہ میں شاہ جی نے ساڑھے تین گھنٹے تقریر کی۔ جس کی وجہ سے مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں مسلمانوں پر واشگاف ہوگئیں۔

تحریک کشمیر (۱۹۳۰ء) شروع ہوئی اور ہزاروں احرار رضاکار جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے۔ درجنوں احرار سرخپوش اپنے کشمیری بھائیوں کی آزادی کے لئے شہید ہوئے جن میں چنیوٹ کے شیخ الٰہی بخش بھی شامل تھے۔ جن کی شہادت نے مسلمانوں میں قربانی و ایثار کا نیا ولولہ اور جذبہ پیدا کیا۔ وہ اس تحریک کے پہلے شہید تھے۔ تحریک کشمیر کے زمانے میں شاہ جی کو دہلی کی جامع مسجد میں ایک تقریر کی بنا پر گرفتار کرکے اڑھائی

سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔

کمیونل ایوارڈ کے نفاذ سے مسلمان ناراض تھے اور اسے مسلمانوں پر ہندو اکثریت کو مسلط کرنے کی ایک برطانوی سازش قرار دے رہے تھے۔ کانگرس نے انتخابات میں حصہ لے کر چھے سات صوبوں میں وزارتیں بنا لی تھیں۔ ان صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک رکھا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے مذہب اور روایات میں مداخلت کی جا رہی تھی۔ اور پنڈت نہرو ایسے لیڈر انگریزوں کو للکار رہے تھے کہ انگریزوں نے اختیارات حکمرانی منتقل کرنے ہیں تو وہ کانگرس کو کرنے ہوں گے۔ کیونکہ کانگرس ہی اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس سے واضح تھا کہ پنڈت نہرو کہہ رہے تھے کہ اختیاراتِ حکمرانی ہندوؤں کو منتقل کئے جائیں۔ نہرو کی اس دھمکی نے مسلمانوں کو خبردار اور ہوشیار کر دیا۔

پھر مسٹر محمد علی جناح کو لندن سے بلایا گیا اور لکھنو کی آل پارٹیز کانفرنس میں انکو لیڈر تسلیم کر لیا گیا اور ملک میں مسلم لیگ کی تحریک شروع ہو گئی۔ مسلم لیگ اور پاکستان کی تحریک میں مجلس احرار اسلام کا یہ مؤقف تھا کہ پہلے ہندوستان کو آزاد کرایا جائے پھر ہندوؤں سے نپٹا جائے تقسیم میں انگریز کو فیصل تسلیم کیا جائے۔ لیکن قلبی اور ذہنی طور پر ان کا مؤقف واضح تھا کہ جو قوم گائے کو ماتا سمجھتی ہو اور اس گائے کو مینگھروں تک چبا جاؤں اس قوم کے ساتھ میرا اتحاد ناممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شاہ جی نے تحریک پاکستان کی مخالفت میں اپنی تقریروں میں اظہار خیال کیا لیکن قیام پاکستان کے بعد واقعات نے ثابت کر دیا کہ شاہ جی وطن عزیز پاکستان کی سرزمین سے کس قدر محبت رکھتے تھے۔

۱۹۵۱ء، ۱۹۵۲ء میں جب پنڈت نہرو نے پاکستان کی سرحدات پر فوجیں جمع کر دیں اور پاکستان کی آزادی کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تو نے احرار کانفرنس کے اجلاس میں جو دہلی دروازہ لاہور میں منعقد ہوا۔ تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> "پاکستان بن چکا ہے اب اسے دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی۔ یہ میرا وطن ہے اس کا ذرہ ذرہ میرے نزدیک مقدس ہے۔ اس کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے۔ اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو وطن عزیز پاکستان کی آزادی کی حفاظت میں لڑنے والوں میں سب سے آگے سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہو گا۔ اس مقدس سرزمین کی آزادی کی حفاظت میں جس شخص کا سب سے پہلے خون بہے گا وہ عطاء اللہ شاہ بخاری ہو گا۔"
>
> آپ نے اعلان کیا کہ پوری قوم لیاقت علی خاں کے ساتھ ہے۔ آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ سر بکف اور کفن بردوش ہو کر پاکستان کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اگر دشمن حملہ کرے تو اس کا منہ پھیر دیں۔"

شاہ جی جب تک زندہ رہے انہوں نے پاکستان کی خوشحالی، استحکام اور سربلندی کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ شاہ جی نے مجموعی طور پر ساڑھے نو سال جیل کاٹی۔ علامہ انور شاہ قدس سرہ آپ کو بلبل ریاض رسول (ﷺ) کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ مرزائیت کے خلاف شاہ جی تمام عمر مصروف رہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے خلاف مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج کی عدالت میں مقدمہ چلا اور اس مقدمہ میں کھوسلہ نے تاریخی فیصلہ دیا۔ اس کے علاوہ مرزائیت کے خلاف تحریکوں میں آپ کے خلاف تین چار ایسے مقدمات چلائے گئے جن میں عمر قید اور پھانسی کی سزائیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن آپ ان مقدمات سے بری ہو جاتے رہے۔ آخری دفعہ آپ خواجہ ناظم الدین کی وزارت (۱۹۵۳ء) کے عہد میں تحریک تحفظ ختم نبوت میں دوسرے علماء کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ بعض چودہ چودہ سال قید کی سزا دی گئی لیکن سال ڈیڑھ سال کے بعد آپ کو دوسرے علماء کے ہمراہ باعزت طور پر چھوڑ دیا گیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب طریقت تھے اکثر کہا کرتے تھے کہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ گولڑوی کا مرید ہوں۔ روحانی طور پر مجھے ان سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے انتقال کے بعد آپ نے اپنا تعلق بیعت شیخ المشائخ حضرت عبدالقادر رائپوری قدس سرہ سے جوڑ لیا۔ اور پھر تاحیات انہیں سے منسلک رہے۔ میانوالی، مظفر گڑھ، ملتان اور ڈیرہ غازی خاں میں آپ کے ہزاروں مرید تھے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ امرتسر سے ہجرت کر کے ملتان آ کر آباد ہو گئے۔ ملتان سے انہیں محبت تھی اور اکثر ملتان کے متعلق کہا کرتے تھے۔

''ملتان ولیوں، قطبوں اور عالموں کی سرزمین ہے۔ اس سرزمین پر محمد بن قاسم کے قدم آئے اور اسلام کا جو پہلا لشکر برصغیر میں محمد بن قاسم کے ہمراہ آیا۔ اس نے ملتان ہی میں اپنا ڈیرہ جمایا۔ اس میں کئی بزرگ بہت مرتبہ کے تھے جن کے نقوشِ کف پا کے نشان مجھے آج بھی نظر آ رہے ہیں۔''

''ملتان سے مجھے محبت ہے اس کا ماحول بالکل ایسا ہے جیسا عرب کا ہے۔ دور تک پھیلی ہوئی قبریں، کھجوروں کے جھنڈ، اولیاء اللہ کے مقابر، غازیوں اور مجاہدوں کے مزارات مجھے اسلام کے قرن اول کی یاد دلاتے ہیں۔ جب ہم کشور کشائے عالم بن کر عرب کے ریگزاروں سے نکلے تھے اور ہمارا سیل رواں کسی سے تھم نہ سکا تھا۔

''ملتان کی سرزمین ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جب اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو تمام جغرافیائی وابستگیاں بھول جاؤ۔ کیوں کہ اللہ تعالی کی یہ وسیع دنیا مسلمانوں کی میراث ہے۔